تسلی کے متلاشی
مصنف
نوید ملک

عرضِ مصنّف

خدائے بزرگ و برتر کا نہایت ممنون ہوں کہ اُسی کے فضل سے میں اس مضمون "تسلّی کے متلاشی" پر قلم اُٹھانے والا ہوا۔ یہ کتابچہ ہر اُس شخص کیلئے ہے جو کلامِ مقدّس کا طالبِ علم ہے۔ اہلِ کلیسیاء کیلئے اس لئے کہ وہ حقیقی تسلّی پانے کے بعد دوسروں سے یہ تسلّی بانٹنے کے پابند ہیں اور غیر مسیحیوں کیلئے اس لیئے کہ جس حقیقی تسلّی کے تعلق سے ہم اُن سے بات کرنا چاہتے ہیں وہ اُس

سے ناواقف و ناآشنا ہیں۔

ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر وہ چہرے بھی جن پر مسکراہٹ ہے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ میرے چہرہ پر مت جا کیونکہ ہر چہرہ ایک بند کتاب کی مانند ہوتا ہے۔ انسان خالق کے بجائے مخلوق کے پیچھے بھاگ رہا اور جھوٹے سائے کے پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ شافی کو چھوڑ کر شِفا کے پیچھے اور منبعِ حیات کو چھوڑ کر زندہ رہنے کی بابت سوچ رہا ہے اور حقیقت کے بجائے عکس کو حقیقت سمجھے بیٹھا ہے۔ انسان کی اس حالت نے اسے احساسات و جذبات کے لحاظ سے اور عقل و شعور کے اعتبار سے اندھا اور مفلوج کر دیا ہے اور یوں وہ قادرِ مطلق کی طرف رجوع لانے سے عاجز ہے۔ اس مادہ

پرست، زر پرست اور خود غرض معاشرے نے اِنسان کو آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس دلدل سے نکلنے کیلئے کوئی نوید ہے؟ کیا کوئی ہے جو واقعی تسلّی دینے والا ہو؟ کیا کوئی ہے جو انسان کا آہ و نالہ سُنے اور اُس کے آنسو پونچھے؟

میں نے اس کتابچے میں مزید تجسّس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ قاری مزید خدمات کیلئے مجھ سے رجوع کرے اور اگر وہ مسیحی نہیں تو وہ ہم سے مفت خط و کتابت کے ذریعے حقیقی تسلّی کے بانی کو جان سکے۔ اگر آپ مسیحی ہیں تو یہ کتاب اپنے کِسی غیر مسیحی دوست کو دیں یا ہمارا ایڈریس دیں تاکہ وہ ہم سے رابطہ کر سکے۔

دُعا ہے کہ خداوندِ کریم آپ کو اس کھوئے ہوئے معاشرے کیلئے بوجھ بخشے تاکہ آپ خوشخبری کا کلام اس معاشرے سے بانٹنے والے ہوں۔

دُعاگو

نوید ملک

اپریل 2007

تعاون:

کراچی بیپٹِسٹ فیلوشپ

جب میں اپنی آنکھیں بند کر کے خاموشی کی حالت میں
پردۂ دِل پر نگاہ ڈالتا اور عہدِ حاضر میں اس کُرۂ ارض پر ہونے
والے ناگفتہ بہ حالات کی فلم دیکھتا ہوں تو دِل خون کے آنسو
روتا ہے۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ہماری دُنیا
شدید بحران کا شکار ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سب کُچھ کی وجہ
میں اور آپ ہی ہیں اور اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

یہ کہنا بہت آسان ہے کہ یہ شیطان کا کام ہے اور شیطان
زوروں پر ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں لیکن اگر ہمیں پتہ ہے
کہ وہ زوروں پر ہے تو ہم اُس کے آلۂ کار کیوں بنتے ہیں۔ میں
نے شیطان کو دیدنی طور پر کہیں بھی نہیں دیکھا اور اگر میں غلطی پر
نہیں تو آپ نے بھی کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ

ہم میں ہو کر کام کرتا ہے۔

انشاء اللہ خان انشاءؔ فرماتے ہیں:

ہنسی آتی ہے مجھے اس حضرتِ انسان پر
فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

انسان کو پروردگارِ عالم نے اشرف المخلوق بنایا اور اپنی گونا گوں صِفات سے بھی نوازا۔ اس سے متعلق توراتِ شریف میں آیا ہے کہ مخلوقات الارض کی تخلیق کے بعد خداوندِ کریم انسان کو بناتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ "بہت اچھا ہے"۔ مگر ہائے افسوس صد ہا افسوس کہ انسان بوجہ نافرمانی اپنے مقام سے گر گیا۔ انسان قُربِ اِلٰہی کا طالب ہونے کے بجائے مادہ پرست

ہو گیا۔ مذہبی لبادے میں رُوحانی لوگ وہ سب کُچھ کرتے ہیں
جو دُنیادار لوگ کرتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ عہدِ حاضر میں انسان
خداوندِ کریم کو بھی اور شیطان کو بھی خوش کرنے کی کوشش کر رہا
اور دونوں کی مساوی فرمانبرداری کرنے کی کوشش میں ہے۔
مذہب اور سیاست کو مِلا رہا ہے۔ انسان کو اپنی عزت، جھوٹی
شہرت، دولت، جائیداد، عِلم وفن، فلسفہ، منطق، ظاہری حُسن و
جمال، شباب، اولاد اور فانی چیزوں پر فخر و ناز ہے۔ وہ اپنے
آپ کو نہ کہتے ہوئے بھی اناالحق کہہ رہا ہے۔ اُس نے اپنی الگ
سے ایک دُنیا بنا رکھی ہے جس کا بادشاہ اور خدا وہ خود ہے۔

دانش کے افزوں ہونے کے سبب سے سائنس نے
جہاں بہت سی سہولیات مہیا کیں وہاں انسان کو اس قدر

مصروف بھی کر دیا کہ پڑوس تو در کنار اپنے گھر کی فکر کرنے سے بھی عاجز ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسان کی اس خود غرضی کی رُوح نے اسے کہیں طوفانِ نوحؑ کے حوالہ کیا اور کہیں آسمان سے گندھک و آگ کی بارش کا نشانہ بنا۔ انسان عبرت حاصل کرنے کے بجائے سرد مہر ہوتا چلا گیا۔ رَبِّ جلیل نے اسے بار بار انبیاءِ کرام کی معرفت خبردار کیا مگر اس کے باوجود انسان اپنی سرد مہری اور خودی کی کھائی میں دھنستا چلا گیا اور آج تک ایسا ہی ہو رہا ہے۔ انبیاء اپنے وطن مین عزّت نہ پائے بلکہ زیادہ تر کو اسی انسان کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ خواہ انہیں آرے سے چیرا گیا یا باندھ کر نذرِ آتش کیا گیا، خواہ انہیں جانوروں کے آگے ڈالا گیا یا سنگسار

کیا گیا، خواہ اُن کے تن تلوار سے دھڑ سے جُدا کر دیئے گئے یا اُنہیں صلیبوں پر لٹکایا گیا اس سب کُچھ کے قصور وار ہم ہی ہیں۔

عہدِ حاضر کے اس نفسا نفسی کے دور میں انسان کا خون سفید ہو گیا ہے، خاندانوں میں افراتفری اور ازدواجی زندگی مذاق نظر آتی ہے۔ اولاد باغیانہ پن کی شکار ہے۔ محبت کا جنازہ اُٹھ گیا ہے۔ روزمرّہ کے اخبارات جب ہمارے اُن گناہوں کا انکشاف کرتے ہیں جو ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں تو پاؤں کے تلے سے زمین نکل جاتی ہے۔ دِلِ ناتواں کانپ جاتا اور بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے کہ سمجھ نہیں آتی کہ خدا اس دُنیا کو کیسے برداشت کر رہا ہے۔

ہر مذہب کے دعوے دار بظاہر تو بہت زیادہ مذہبی سرگرمیوں میں مبتلا ہیں مگر ان کی شخصی زندگیاں دوسروں کیلئے نمونہ نہیں۔ طلاق، اسقاطِ حمل، کشت وخون اور خودکشی کی شرح کا ناقابلِ یقین حد تک اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارے اعمالِ بد نے اس کامل دُنیا کو آلودہ کر کے رکھ دیا ہے۔ بے گناہوں کا خون آج دھرتی پر سے انصاف کیلئے پکار رہا ہے۔ جتنی زیادہ مذہبی سرگرمیاں ہیں اُس سے کہیں زیادہ شیطانی سرگرمیاں نظر آتی ہیں جو ہمارے لیئے صد ہا افسوس کی بات ہے۔

پربتوں کی بلند چوٹیوں سے شہروں اور بستیوں پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روشنیوں کے ان شہروں میں رہنے والا ہر شخص درحقیقت تاریکی میں ہے اور سایہ موت کی وادی

میں ہے۔اس کی جان، مال، عزت و آبرو ہر وقت داؤ پر
ہے۔ہر خاندان کے ہر فرد کی آنکھوں سے آنسووں کے دریا بہہ
رہے ہیں۔امیر امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور غریب اپنی جھونپڑی
میں ایامِ زیست کے آخری اور کٹھن سانس پورے کر رہا
ہے۔کوئی فائیو اسٹار ہوٹلوں میں لنچ اور ڈنر کرتا ہے اور کوئی
کوڑے کے ڈھیر سے روٹی کے ٹکڑے چُن کر اپنا ظالم پیٹ
بھرتا ہے۔بڑے بڑے باعزت لوگ بے روزگاری کے عالم
میں فُٹ پاتھ پر سو کر زندگی کے اس سخت و مشکل سفر کا مقابلہ
کرتے نظر آ رہے ہیں۔

بے حیائی کا یہ عالم کہ اپنا سر اُٹھا کر چلتی ہے۔جہاں مِڈیا
انسان کیلئے جدید مواصلاتی نظام مہیا کر رہا ہے وہاں انسان کو

بے حیائی کی دلدل میں بھی دھکیلا جا رہا ہے۔انٹرنیٹ، ٹیلی وژن اور فلمی دُنیا نے شرم وحیا کی چادر کو پاش پاش کر دیا ہے اور یوں ہم یہ رَٹ لگائے ہیں کہ یہ زمانہ ماڈرن، تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ہے۔جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔

شیطان ہمارے منہ پر طمانچہ رسید کر رہا ہے اور ہم اِسے ماڈرن اِزم کہتے ہیں۔پیسہ انسان کا مجازی خدا بن گیا ہے۔ہوس اور خواہشِ نفس نے انسان کو اس قدر درِندہ خصلت بنا دیا اور اُس کی عقل پر پردہ ڈال دیا کہ وہ اپنی بیٹی کو بھی کوئی عام سی لڑکی تصوّر کرتے ہوئے تسکینِ نفس کیلئے اپنا منہ کالا کرتا ہے۔ایسی خبروں سے اخبارات بھرے ہوتے ہیں۔آج سے قریب 60 سال پہلے ہم آزادی کے طالب تھے لیکن افسوس

اس بات کا ہے کہ جسمانی آزادی تو حاصل کر لی لیکن رُوحانی اعتبار سے ابھی بھی ہم غلامی میں ہی ہیں۔ہم آج بھی بندوقوں کے سائے تلے اپنی عبادت گاہوں میں نماز ادا کرتے ہیں۔انسانی آبادی میں اِضافے کی شرح کے سبب سے زمین اپنا حاصل نہیں دے رہی۔

کچھ سال پیشتر ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے بلڈ پریشر، شوگر، کولسٹرول، ہارٹ اٹیک اور منرل واٹر کا نام تک نہیں سُنا تھا۔انسان اپنی ہلاکت اور بربادی اور تباہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے تیار کر رہا ہے۔جوہری توانائی کے حامل ممالک کو ایٹمی طاقت پر فخر ہے۔لیکن ہماری سوچ بہت کم ہی اس طرف جاتی ہے کہ یہ میری ہی

ہلاکت کا سامان ہے۔

حقوقِ انسانی کا اس طور پر مذاق اُڑایا جا رہا ہے کہ جس کے پاس پیسہ ہے اُس کے پاس سب کچھ ہے اور جس کی سفارش ہے اس کی پانچوں اُنگلیاں گھی میں ہیں۔ بے انصافی اس قدر زوروں پر ہے کہ پیسہ دے کر تختہ دار سے مجرم کو اُتروایا جا سکتا ہے۔ انسان شروع ہی سے بِکتا چلا آیا اور لگتا ہے کہ اس طرح بِکتا چلا جائے گا۔

مذہبی جنون میں آ کر ہم مساجد میں، گرجا گھروں میں، مندروں اور امام بارگاہوں میں عبادت گو لوگوں کا خون بہانے سے باز نہیں آتے۔ مذہبی جنون میں آ کر ہم

دوسروں کی ماں بہن کے سر سے شوہر کا اور باپ کا سایہ ہمیشہ کیلئے اُٹھالینا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ عزت نام کی کوئی چیز ہوتی ہے مگر معلوم نہیں یہ کس دُنیا کی بات ہو رہی ہے۔ ہمدرد، زخموں پر مرہم لگانے والا، دُکھ میں ساتھ دینے والا ''میرا اور اپنا'' کے الفاظ جب میں سُنتا ہوں تو دس بار سوچنا پڑتا ہے کہ اس کے پیچھے کیا بات ہے۔

ذات پات اور اُونچ نیچ کی وجہ سے انسان، انسان کو انسان نہیں سمجھتا، قوموں اور ممالک میں جنگی ہتھیاروں کی ترسیل اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ انسان کہاں جا رہا ہے۔ ہم لڑنے مرنے اور دوسرے ممالک کے خلاف ہاتھ اُٹھانے اور ساری طاقت کا استعمال کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ کل جو

انسان ساز فیکٹریاں تھیں یعنی اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں ، وہاں انسان انسان بننے کے بجائے بگڑ رہا ہے اور نوجوان اسلحہ لے کر کمرۂ جماعت میں داخل ہوتے ہیں ۔ یہ حالت زار ہر درسگاہ کی تو نہیں مگر اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بے راہ روی ایسی ہے کہ شریف زادی جب گھر سے نکلتی ہے تو بے چارہ باپ اُس وقت تک بے چین رہتا ہے کہ جب تک وہ واپس نہیں لوٹ آتی ۔ موت اس قدر ارزاں ہے کہ گھر سے باہر نکلنے والا نہیں جانتا کہ میں واپس آؤں گا یا نہیں۔

قوم پر قوم چڑھائی کر رہی ہے اور اپنی سیاست کی اور طاقت کی دکان چمکا رہی ہے۔ سیاستدان اپنی کرسی کی فکر میں

ہیں۔ ہر شخص کے دِل میں ایک آرزُو ہے۔ ایک تمنا اور گہری خواہش ہے کہ ”ہے کوئی مسیحا جو میرے درد کا مداوا ہو، کوئی ہے جو مجھے تسلّی دے، کوئی ہے جو میرے سر پر ہاتھ رکھے، کوئی ہے جو میرے زخموں پر مرہم لگائے“ مگر ہم تماش بین اور چوریاں کھانے والے ہیں جو دوسروں کی جانیں لینا جانتے ہیں دینا نہیں جانتے۔

دُنیا کے وہ ممالک جہاں جنگیں لڑی گئیں یا لڑی جا رہی ہیں وہاں کے بے سہارا اور یتیم بچوں کے آنسو پونچھنے والا کون ہے؟ ہم کب تک دوسرے کے زخموں پر نمک چھڑکتے رہیں گے اور دوسروں کی بربادی کے طالب ہوتے ہوئے اُن پر تالی بجاتے رہیں گے۔ کیا کوئی اُمید کی کرن ہے؟ کیا کوئی

تسلّی کی بات ہے؟ ربِّ کائنات نے حضرتِ اشعیاہ (یسعیاہ) کی معرفت نہ صرف زمانہ رفتہ کے لوگوں پر ترس کھایا بلکہ اُس کی آج بھی یہ انتہائی گہری آرزُو ہے کہ "میرے لوگوں کو تسلّی دو"۔ اللہ تعالیٰ کے ایک رسول فرماتے ہیں کہ "جو مجھے کرنا چاہیئے اگر نہیں کرتا تو گناہ کرتا ہوں"۔

میرے بھائی اور میری بہن! آپ کہاں ہیں؟ آپ اپنی بابت کیا سمجھتے ہیں کہ مندرجہ بالا لوگوں میں سے آپ کِس زِمرے میں آتے ہیں۔ اپنے آپ کو دھوکا نہ دیں کیونکہ آپ اس دُنیا سے باہر نہیں بلکہ اسی کا ایک حصّہ ہیں اور نہ ہی آپ فرشتے ہیں۔ آپ بھی میری طرح انسان ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم اپنی حالت کے بدلنے کیلئے تیار ہیں؟

شاعرِ مشرق حضرتِ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی

جسے نہ ہو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

انسان کا خواہ کسی ہی مذہب سے تعلق کیوں نہیں اگر وہ نرا مذہبی ہے اور باطن تبدیل نہیں تو وہ کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ......

بات تب ہے کہ بدل جائے سرِشت انسان کی

ورنہ لکھنے کو تو لِکھ دو اونٹ پہ لاری کا نام

خالی لیبل یا اسٹِکر لگانے سے حقیقت تو چھپ نہیں

سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ قوانینِ فطرت کے مطابق ہر پھلدار درخت اپنے تخم کے وسیلہ سے پہچانا جاتا ہے اور اسی طرح کا پھل بھی دیتا ہے۔ انسان آج وہی کرتا ہے جو فطرتی طور پر اسے بطورِ وراثت موروثی طور پر مِلا ہے۔ اور یہ ہمارے جدِّ امجد حضرتِ آدم علیہ السلام سے آیا۔ آپ نے جنتِ ارضی میں حق تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس نافرمانی کا خون یا بیج تمام نسلِ انسانی میں بذریعہ خون منتقل ہوتا ہے۔

حضرتِ موسیٰ کی معرفت خداوندِ کریم نے شریعت دی لیکن شریعت گنہگار انسان کا رَبّ سے وصال کروانے میں ناکام رہی اور شریعت انسان کو اُس مقام پر لانے میں بھی ناکام رہی جس پر ابتدا میں وہ تھا۔

چنانچہ کلام اللہ میں آیا ہے کہ شریعت کے اعتبار سے
کوئی بشر راستباز نہیں ایک بھی نہیں ۔ تو پھر ثابت یہ ہوا کہ
شریعت نے انسان کو کامل نہیں کیا، راست نہیں ٹھہرایا بلکہ
مجرم ہی ٹھہرایا۔ اور یوں رَبِّ جلیل سے انسان کے
وصال کی تمام تر انسانی کاوشیں فیل ہو گئیں ۔ مجھے یوں
کہنے دیجیئے کہ شریعت ایک تھرما میٹر کی طرح ہے جو یہ تو
بتاتی ہے کہ تُم گنہگار ہو لیکن یہ گناہ کا علاج نہیں
کرتی ۔ شریعت نے ہمیں گناہ کی تمیز و پہچان کروائی جو پہلے
نہ تھی ۔ اس سے قبل محض ضمیر کی شریعت تھی اور اُس نے جیسا
مشورہ دیا انسان ویسا ہی کرتا تھا ۔ انسان اپنے گناہوں
کے عوض قربانیاں دیتا رہا لیکن اِسے معافی کی تسلی پھر بھی
میسّر نہ آئی ۔ میرے کئی دوست بہت ہی مذہبی ہیں جن سے

کئی بار مجھے یہ پوچھنے کا اتفاق ہوا کہ خدا آپ کو طویل عُمر عنایت فرمائے لیکن اگر آج آپ کی زندگی کے سانس پورے ہو جائیں تو پھر بعد اِز موت آپ کہاں ہوں گے؟ جنت میں یا جہنم میں؟ مجھے اکثر یہی جواب مِلا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں گا مجھے معلوم نہیں ہے۔ حق تعالیٰ جو ابدی تسلّی بخشتا ہے اُس نے بنی نوع انسان کے گناہوں کیلئے ایک ابدی اور کامل کفارہ کا انتظام کیا اور یہ ایک ایسا اِلٰہی انتظام ہے جو حتمی اور کامل ہے۔ انسان اگر اِسے قبول کرے تو وہ نا اُمید نہیں رہتا بلکہ گناہوں کی معافی مِل جانے کیلئے تسلّی و اطمینان پاتا ہے۔

جب رَبِّ کائنات نے دیکھا کہ انسان اپنی تمام تر

کاوشوں کے باوجود مجھ تک رسائی نہیں کر پاتا اور انسان کے خیال اور ارادے ہمیشہ سے بُرے ہی ہیں تو پھر خدائے محبت خود اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے یعنی انسان کی ابدی خلاصی ونجات کیلئے کارفرما ہوتا ہے تا کہ انسان اُس انتظام کے ذریعے اپنے گناہوں کی معافی اور نجات حاصل کر سکے اور یوں اُس کا ضمیر اور شریعت اُسے الزام نہ دے۔ یاد رکھیں کہ یہ انتظامِ انسانی نہیں بلکہ اِلٰہی ہے اور کامل ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنی ہٹ دھرمی کے بندھنوں اور بینڈوں کو توڑ کر اور مذہبی حد بندیوں، تعصّب و دھڑے بندیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس انتظامِ اِلٰہی کو قبول کرے کیونکہ اِسی سے ضمیر کی شریعت اور

گناہوں کی معافی اور آزادی میسّر آتی ہے۔ یہاں پر اس انتظامِ الٰہی کا ذکر کرنا میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔ عین ممکن ہے کہ یہ آپ کی زندگی کی تبدیلی کا سبب بن جائے اور یوں آپ مادی اشیاء میں اطمینان وتسلّی ڈھونڈنے کے بجائے خداوند میں اپنے گناہوں کی معافی کا ابدی اطمینان اور تسلّی حاصل کر سکیں۔ مجھے آپ سے دِلی محبت ہے جس کی وجہ سے میں آپ کو صراطِ مستقیم دِکھا رہا ہوں اور میں اسے حکمِ خداوندی بھی سمجھتا ہوں اور وہ حکم یہ ہے کہ میرے لوگوں کو تسلّی دو۔ لہٰذا میرے پاس جو تسلّی کا پیغام ہے وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حقیقی اور ابدی تسلّی کا بانی ومنبع بھی خداوندِ قدّوس بذاتِ خود ہے۔

اگر آپ اس تسلی کے حصول کے خواہاں ہیں تو پھر تعصب
کی عینک اُتار لیجئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہیا کی گئی محبت
سے متعلق جانیں کہ وہ کیا ہے۔ اس انتظام میں خداوندِ کریم کوئی
ایسا کام نہیں کرتا جو انسان کیلئے سمجھنا دُشوار ہو۔ وہ وہی کرتا ہے
جس پر انسان کیلئے ایمان لانا بھی اور سمجھنا بھی آسان ہے۔ اللہ
تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کی بنیاد انسان کے ذہن میں پہلے ہی
سے پڑی ہوئی تھی۔ مگر اب وہ کامل انتظام کرتا ہے اور کتبِ
سماویہ اس کی گواہ اور بُنیاد ہیں۔

تقریباً دو ہزار برس پیشتر کلام اللہ جسم اختیار کرتا ہے
اور حضرتِ مریم صِدیقہ سے جنم لیتا ہے۔ اسی کلامِ مجسّم کو ہم
''کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ'' بھی کہتے ہیں۔ کلام اللہ میں کسی

دوسری شخصیت کیلئے ایسی اصطلاحات استعمال نہیں ہوئیں۔ کلمتہ اللہ کی سیرت بھی ایسی ہے کہ جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ یہ وہ واحد شخصیت ہے جس سے متعلق انبیاء کی معرفت بے شمار پیشینگوئیاں ہوئی ہیں جن میں سے اکثر پایۂ تکمیل تک بھی پہنچ گئیں۔ کلمتہ اللہ نے مکمل طور پر بے گناہ، پاک اور بے عیب زندگی گزاری اور کُتبِ سماویہ اس سچائی کی تصدیق کرتی ہیں۔

انسانی تاریخ اور انسان کی سرِشت میں قربانی کا تصور موجود ہے اور اس کی بنیاد بھی حق تعالیٰ خود ہی ڈالتا ہے۔ بنی اسرائیل کی عبادات میں قربانیوں کا نہایت ہی اہم تصوّر تھا۔ مذاہبِ عالم میں بھی کِسی نہ کسی طرح سے

قربانیوں کا تصوّر موجود ہے۔ لہٰذا ربّ العالمین کوئی نیا کام نہیں کرتا بلکہ وہ ایسا ہی کرتا ہے جو انسان کیلئے قبول کرنا آسان اور اُس کی سرشت میں پہلے ہی سے موجود ہے۔

یہی کلمتہ اللہ نہ صرف بے گناہی اور معصومیت کی زندگی گزارتا بلکہ بنی نوع انسان کیلئے ایک کامل قربانی بھی گزرانتا ہے۔ کسی انسان کا کسی دوسرے انسان کیلئے قربان ہو جانا ہمیں اس لیئے سمجھ نہیں آتا کیونکہ اس سے قبل ہم جانوروں کی قربانیوں کے قائل رہے۔ اور جس دُنیا میں ہم رہتے ہیں وہاں جان دینے والے نہیں بلکہ لینے والے پائے جاتے ہیں۔ ہم یہ سمجھنے سے عاجز ہیں کہ انسان کے گناہوں کیلئے جو قربانی ہو وہ بھی ایسی ہی ہو جو اُس کے

برابر ہو۔ مثلاً اس قربانی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے بدلے انسان ہی کی قربانی ہو۔ کیونکہ میرے احساسات و جذبات کو کوئی انسان ہی سمجھ سکتا ہے حیوان نہیں سمجھ سکتا۔ انسان اشرف المخلوق ہے جبکہ حیوان نہیں ہے۔ انسان میں اوصافِ خداوندی ہیں جبکہ حیوان میں نہیں۔ اس قربانی کے تقاضے کے مطابق اس کا انسان ہونا ہی کافی نہ تھا بلکہ اس کا بے عیب اور بے گناہ ہونا بھی لازِم تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی بے گناہ انسان کی ہی ہو سکتی تھی۔ لہٰذا اس زمین پر ما سوا کلمتہ اللہ کے اور کوئی بھی اس زِمرے میں نہیں آتا تھا۔ چنانچہ یہی کلمتہ اللہ انسان کے گناہ کے خلاف غضبِ اِلٰہی کو ٹھنڈا کرنے کیلئے قربان ہو جاتا ہے اور نہ صرف یہاں تک بلکہ مر جاتا اور تیسرے دن

مُردوں میں سے جی بھی اُٹھتا ہے اور یوں وہ کُل جہان کیلئے کفارہ وفدیہ ٹھہرتا ہے۔

یہی کلمتہ اللہ آج بھی ہماری مدد کرتا ہے۔اُس نے ہمیں ابدی تسلّی اور اطمینان دینے کیلئے اپنی جان قربان کردی اور یوں ہمارا قرض چُکا دیا۔اب یہ کفارہ یا قربانی خود بخود ہمارے لیئے کام نہیں کرتا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اِلٰہی محبت ہر انسان کیلئے ہے خواہ اُس کا تعلق کسی ہی دین سے کیوں نہ ہو۔تو بھی یہ کفارہ ہمارے لیئے مشروط ہے۔خدا کی محبت غیر مشروط ہے مگر کفارہ مشروط ہے یعنی ہم سے کُچھ تقاضا کرتا ہے۔یہ اس صورت میں مشروط ہے کہ جو کوئی اپنے گناہوں کا اقرار کرتا اور اُن سے پھرتا ہے یعنی توبہ کرتا اور اس کفارے پر ایمان لاتا ہے

کہ وہ میرے گناہوں کیلئے ہے تو پھر یہ کفارہ صرف اُسی شخص کیلئے فائدہ مند ہوتا ہے ہر کسی کیلئے نہیں۔

دُنیا کے کسی بھی خطّے میں جہاں اس کفارے پر ایمان رکھنے والے لوگ موجود ہیں وہاں ہمدردی خوفِ خدا، تسلّی ،اطمینان ، باطنی خوشی اور ابدی یقین دہانی ہے۔کوئی بھی ملک ایسا نہیں ہے جس کا ہر باشندہ اس کفارے پر ایمان رکھتا ہو لیکن ہر ملک میں لاتعداد ایسے لوگ ہیں اور نہ صرف آج کے دور میں بلکہ تاریخ میں بھی رہے ہیں جو اس کفارے پر ایمان رکھتے ہیں اور اس سبب سے اِن کی زندگیاں تبدیل ہو گئی ہیں۔ہمیں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ حقیقت وسچائی اور راور حق کے طالب لوگوں اور اللہ والوں کی تعداد ہر دور

میں اقلیت میں ہی رہی ہے۔

لہٰذا میں بڑے یقین کیساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ جب تک دُنیا کا ہر شخص اِس کفارے پر ایمان نہ لائے اُس وقت تک نہ تو گناہوں کی معافی ہے اور نہ ہی امن ہے اور اس کے بغیر کوئی تسلّی بھی میسّر نہیں۔ اس عظیم کفارے پر ایمان لانے سے نہ صرف اُخروی زندگی کی یقین دہانی حاصل ہوتی ہے بلکہ اس دُنیا میں بھی ہمیں سُکھ اور چین میسر آتا ہے۔

میں نے اس تسلّی کو پایا ہے۔لہٰذا میں آپ کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ اس عظیم کفارے پر ایمان لا کر آپ بھی تسلّی، سُکھ چین، راحت و آرام حاصل کریں۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

گناہوں کی معافی اور نجات حاصل کریں۔ میں آپ کو اس لیئے
یہ تسلی دِلاتا ہوں کیونکہ خداوندِ کریم نے مجھے یہ حکم دیا ہے
کہ ''میرے لوگوں کو تسلی دو''۔

اگر آپ مسیحی نہیں تو اس سلسلے میں مزید معلومات کیلیے اور
مفت خط و کتابت کے ذریعے کلام اللہ کا مطالعہ کرنے کیلیے اس
پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

نیو لائف انسٹیٹیوٹ
پوسٹ بکس نمبر 17686 کراچی 75300

انشاء اللہ خان انشاؔ فرماتے ہیں:

ہنسی آتی ہے مجھے اس حضرتِ انسان پر
فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر